

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# نَظَرَات

آہ! ”ترکش مارا خدنگ آفریں“

والحسنا! ابھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا غم تازہ ہی تھا اور امتدادِ روزگار کا مرہم اس غم کی جراحت سامانیوں کو کم نہیں کر سکا تھا کہ اچانک مولانا ابوالکلام آزاد کی وفات حسرت آیات کا سانحہ جاں گداز پیش آگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

خامہ انگشتِ بدنِ اُن کا سے کیا لکھئے ناطقہ سر بگیاں کا سے کیا لکھئے

عام پیرایہ بیان میں لوگ کہتے ہیں کہ مولانا علومِ قدیمہ و جدیدہ کے مبصرِ عالم تھے سحر طراز انشایہ و از بلند پایہ ادیب۔ جاوہرِ نشانِ خطیب تھے۔ فہم و تدبیر۔ ذہانت و فطانت اُن کے اوصاف و کمالاتِ طبعی کا نکتہ زریں تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب عنوانات مولانا کی اصل شخصیت کی ترجمانی اور حکامی سے قاصر ہیں وہ بذاتِ خود ایک تاریخ تھے اور تاریخ ساز بھی، وہ مستقل ایک عہد تھے اور عہد آفریں بھی۔ انھوں نے اپنے دماغ اور زبانِ زرقم سے ایک عہد پیدا کیا جس کی ہمہ گیری اور وسعت کا یہ عالم تھا کہ اُس سے مذہب بھی متاثر ہوا اور ادب بھی۔

سیاست بھی اُس سے اثر پذیر ہوئی اور تہذیب و ثقافت بھی۔ اُن کا قلم ابر بہاراں بھی تھا اور برقِ شہرِ نشان بھی۔ علم و حکمت اور شعر و ادب کے میدان کی طرف نکل گیا تو فروغِ نظر اور ایمان و یقین کے لالہ و گل کو پیغامِ نشوونما دینا گیا اور چٹیلِ مہیڈانوں کو گل و گل زار بنا گیا۔ اور اگر اُس نے مذہب اور سیاست کی طرف رخ کیا تو فکر و نظر اور احساس و شعور کی دنیا میں طوفان برپا کر گیا جو گوشِ نشین تھے وہ اس آواز کو سن کر گھروں سے نکل پڑے جن پر غلامی کی غفلت و مدہوشی کا تسلط تھا وہ جوش و ولولہ عمل سے سرشار ہو کر زندگی کا ایک نیا خون اپنی رگوں میں دوڑتا ہوا محسوس کرنے لگے۔ وہ ہر نرم اور ہر محفل میں پہنچا اور ہر جگہ صدرِ انجمن اور میرِ محفل ہو کر رہا، مذہب۔ سیاست اور

ادب، تہذیب اور معاشرت ان میں کوئی منزل ایسی نہیں ہے جس کی طرف اُس نے رخ نہ کیا ہو اور اُس میں اپنے اجتہاد و تحقیق، سنجیدہ فکر اور نظر بلند کے لازوال نقوش نہ چھوڑے ہو۔

ایک شخص آج کل کے رسمی طریقہ تعلیم سے نا آشنا ہونے کے باوجود محض اپنی خدا داد غیر معمولی ذہانت و فطانت اور ذاتی مطالعہ و تحقیق سے کس قدر اجتہاد ہو سکتا ہے مولانا اُس کی برہان میں اور دلیل روشن تھے اور اس طرح کی عبقریت (GENIUSNESS) کی مثالیں دنیا میں کم ہی ملیں گی۔ چنانچہ جس طفل نوخیز نے سولہ برس کی عمر میں اردو کی اخبار نویسی سے اپنی زندگی شروع کی تھی وہ نوجوانی میں ہی اس قدر بلند اور سرافراز ہو گیا کہ جس محفل میں سن رسیدہ ملک کے اکابر و عوام یکجا بیٹھتے تھے وہاں بھی وہ کرسی صدارت پر متمکن نظر آتا تھا اکابر علمائے اُس کو امام الہند لکھا۔ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس نے تحریک آزادی کے سب سے زیادہ نازک دور میں اُس کی قیادت میں جدوجہد کی آخری منزلیں طے کیں اور پھر آزاد ملک میں سب سے پہلا مرکزی وزیر تعلیم بھی رہی بنا۔ یہ ایک محکمہ تو محض رسمی طور پر تھا ورنہ اُس کا ناخن تدبیر و فہم ملک کی پوری سیاسی گتھیوں کے ہی سلجھانے میں مصروف رہا۔ چنانچہ آج یہ شخصیت ہم میں موجود نہیں ہے تو ہر طبقہ اور ہر گروہ میں اُس کا ماتم پایا ہے علماء و ورہے میں کہ اُن کا ستر ناج اٹھ گیا، علوم و فنون کے ماہر اشک فشاں ہیں کہ ایک عظیم الشان اسکا لریا جاتا رہا۔ وزیر اعظم ہند و ماتم کٹاں ہیں کہ اب مشورہ اور رائے کس سے لیں گے۔ وزیر داخلہ پنڈت پنیت کو ملاں ہے کہ مولانا کی وفات ملک کے لئے ہاتھ کا گدھی کے بعد سب سے بڑا حادثہ ہے۔ غور کرنا چاہیے کہ کسی ایک شخصیت کے جامع اور ہمہ گیر ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ ہر شخص بلا تفریق مذہب و ملت اپنے خاص نقطہ نظر اور مذاق طبع کے ماتحت اُس کو مجموعہ کمالات و اوصاف سمجھے اور اُس کی وفات پر اشک فشاں و گریہ کٹاں ہو۔

اگرچہ ملک کی آزادی کے بعد سے مولانا گوشہ نشین ہو گئے تھے اور عوام سے رابطہ باقی نہیں رکھا تھا لیکن اُس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور نہیں تھی کہ مولانا اس بات کا یقین رکھتے تھے

کہ ملک کے خاص حالات میں اُن کا پبلک میں آنا اور تقریریں کرنا کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا بلکہ اُس سے تھوڑے بہت نقصان کا ہی خطرہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے ملک کی خدمت کا صحیح اور درست طریقہ یہی ہے کہ خاموشی کے ساتھ ملک کی تعمیری خدمات انجام دی جائیں اور اس سلسلہ میں پنڈت ہنر کو زیادہ سے زیادہ قوت بہم پہنچائی جائے اور اپنے صحیح مشورہ سے لوگوں کی مدد کی جائے۔ چنانچہ اس سیاست پر وہ آخر وقت تک عمل پیرا رہے۔ جو کچھ ان کو کھانا ہوتا تھا وہ پنڈت ہنر سے کھاتے تھے اور جو کچھ انھیں کرنا ہوتا تھا پنڈت جی سے کرتے تھے مولانا کے کیرئیر کی یہ بھی بڑی اہم خصوصیت تھی کہ اُن کو اپنی زبان اور دل و دماغ پر بغیر مولانا کی ضرورت حاصل تھی۔ خود اُن کے بقول انھوں نے ساہا سال کی مشق کے بعد اپنے اندر یہ کمال پیدا کر لیا تھا کہ کسی کی مدد و ذمہ کا اُن پر مطلق کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور ہمیشہ اپنی صوابدید کے مطابق کام کرتے تھے۔ جب بولنے کی ضرورت ہوتی تھی تو بھر پور تقریر کرتے تھے اور جب بولنے کو مضر جانتے تھے تو بالکل چپ سا دھ لیتے تھے۔ مولانا کے سیاسی مخالفین نے برا بھلا کہنے میں کون سی کسر اٹھا رکھی تھی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ مولانا کی پیشانی پر غیظ و غضب کی ایک شکن بھی نہیں پڑی اور کبھی خلوت میں بھی کسی بڑے سے بڑے مخالف کا ذکر بدی کے ساتھ نہیں کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنی موجودگی میں کسی کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی، شرافت نفس کا یہ عالم تھا کہ زبان کبھی فحش اور گندہ لفظ سے آشنا نہیں ہوئی، غیور و خوددار اس پایہ کے تھے کہ والد مرحوم کی استخوان فروشی ہرگز گوارا نہیں کی حالانکہ اس ذریعہ سے بلا کسی محنت و مشقت کے لاکھوں کما سکتے اور ایک وسیع و متمول طبقہ کے مرشد و روحانی بن سکتے تھے۔ مولانا پر سخت قسم کی حسرت و تنگدستی کے دور بھی آئے لیکن کیا مجال کہ زبان کسی کے سامنے اظہارِ احتیاج کے تنگ سے آلودہ ہوئی ہو یا غلطی اڑھائیں جو اس زمانہ میں علما اور مشائخ اور عباد و صلیب تک میں عموماً ناپید ہیں پھر اور لوگوں کو کہنا ہی کیا ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے مولانا کا بروز عجمائے امت کی برائی انسل کی آخری یادگار تھے اس لئے مولانا کی وفات ایک شخص اور ایک بڑے آدمی کی موت نہیں۔ بلکہ پورے ایک عہد۔ ایک دور ایک قرن کی موت ہے۔ مسلمان ہند کی تاریخ عہد حاضر کا ایک باب ختم ہو گیا۔ بس سدا ہے نام اللہ کا، کل شیخ ہالک الاوجہ۔ اس دنیا کی ریت یہی ہے۔ جو آتا ہے اس کو جانا ضرور ہے۔ رحمت اللہ علیہ رحمت واسعہ۔